روایتی افریقی دانش اور ''بھوکی سڑک''

ظہیر عباس

Abstract:

Ben Okri is a Nigerian Poet and Novelist.He is considered one of the best African novelists in the post-modern and post-colonial traditions. He has written 10 novels and 3 collection of short stories. He is famous for the taste of african culture in his fiction. His most celebrated novel is "The Famished Road", in which African Culture, People and politics came out in an artistac way. In this article bassic theme of this novel is dicussed critically and a brief analysis is presented. This artical is first research and critical artical about this famous master piece of world fiction.

> ''افریقہ سے چھٹکارا پانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ افریقہ کو اپنے اندر سے نکال دو''(۱)

یہ پراسرار بات کرنے والا ایک گورا ہے جو پچھلے دس سال سے نائجیریا میں ہے۔ وہ نوآبادکاروں کا ایک اہم رکن ہے۔وہ اذارو(ناول کا بیان کنندہ) کی ماں سے اس راستے کا پتہ پوچھتا ہے جو اسے افریقہ سے باہر لے جائے۔وہ اسے بتاتا ہے کہ اس نے افریقہ سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔یہاں تک کہ اس نے ایک جہاز پر بیٹھ کر جانے کی کوشش بھی کی لیکن وہ جہاز بھی پوری دنیا کا چکر لگا کر اسی ائرپورٹ پر آن اترا جہاں سے اس نے اڑان بھری تھی۔یہ حالت اس شخص کی ہے جو مقامی نہیں ہے باہر سے آیا ہے۔جس کا مقصد مقامیوں پر حکومت کرنا ہے انہیں جوتے کی نوک پر رکھنا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ اس کی اپنی شناخت گم ہوگئی ہے اور وہ اس سابقہ شناخت کی تلاش میں مقامیوں کے رحم وکرم پر ہے۔کچھ دن بعد اس کی ایک اجنبی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔اب کے بار وہ بازار میں مچھلیاں فروخت کررہی ہے۔وہ اس کی مچھلیوں کو ہاتھ لگاتا ہے تو سب

کی سب زندہ ہوکر برتن میں بل کھانے لگتی ہیں۔ یہ سب دیکھ کر جب وہ بھاگنے لگتی ہے تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ میں وہی شخص ہوں راستہ بھول گیا تھا۔وہ مشکل اسے پہچانتی ہے کیونکہ اب وہ گورا نہیں رہا بلکہ افریقی بن چکا ہے۔وہ یہ کہہ کر اسے حیرت زدہ کردیتا ہے کہ ہم پانچ سو سال پہلے ملے تھے۔دس سالوں نے اس کی زندگی کو بدل کے رکھ دیا ہے۔افریقہ اس کی روح میں اتر گیا۔وہ اسے بتاتا ہے کہ اگرچہ ہم دو ہفتے پہلے ہی ملے تھے لیکن وقت وہ نہیں ہے جو آپ اس کے بارے میں سوچتے ہیں۔اب وہ گورا نہیں رہا بلکہ کالا ہوگیا ہے اور اسے کوئی ندامت نہیں ہے۔اب اسے افریقہ سے نکلنے کا راستہ معلوم ہے۔وہ اسے کہتا ہے کہ ''افریقہ سے باہر نکلنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ افریقی بن جاؤ۔''(۲)

انسانی لاشعور کی طرح افریقی تاریخ بھی بھول بھلیوں کی آماجگاہ ہے۔بن اوکری کا کہنا ہے کہ افریقہ باقی دنیا سے جدا ایک ایسی دنیا ہے۔

> ''ایک ایسی دنیا جہاں مردے درحقیت مردے نہیں ہیں،اجداداب بھی زندہ معاشرے کا حصہ ہیں اور یہاں حقیقت کے بے شمار مدارج ہیں۔''(۳)

اس ساری تمہید کا تعلق نائجیریا کے معروف ناول نگار بن اوکری کے ساتھ ہے۔اوکری کی وجہ زیر بحث ناول ''The Famished Road'' ہے۔یہ ناول دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔خود اردو میں ناول ''بھوکی سڑک'' کے نام سے ترجمہ ہوچکا ہے۔میرے خیال کے مطابق ناول کا اردو میں عنوان ''بھوکی سڑک'' کی بجائے ''فاقہ زدہ راستہ'' ہونا چاہیے تھا۔لیکن ہمارے ہاں اردو میں مترجمین انگریزی ناول کے عنوان کا ترجمہ بعض اوقات اپنی منشا کے مطابق کرتے ہیں جو کہ کافی حد تک قابل قبول ہے۔اس ناول کے عنوان کے ترجمہ کے حوالے سے یہ دلیل زیادہ کارگر نہیں ہے کیونکہ Famished کا اردو ترجمہ بھوک نہیں بلکہ فاقہ زدگی ہے۔ترجمہ ہی دوسری تہذیبوں سے مکالمے کا واحد ذریعہ ہے۔اس ناول کے مترجم سید راشد اشرف ہیں جن کا تعلق صحافت کے شعبہ سے ہے۔اس ترجمے کے کو اصل کے برابر رکھ کر دیکھیں تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ترجمہ کی مشکل اور صبر آزما مہم میں مترجم بطریق احسن سرخرو ہوئے ہیں۔ترجمے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ جس زبان میں آپ ترجمہ کررہے ہوں اس میں آپ کی مہارت ترجمہ ہونے والی زبان سے قدرے زیادہ ہو۔تخلیقی ادب کا ترجمہ دوسرے علوم کے تراجم سے کافی پیچیدہ اور کٹھن کام ہے۔ یہاں آپ محض ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل نہیں کرتے بلکہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب میں منتقل کرتے ہیں۔اسلوب کسی بھی معاشرے کا رہن سہن،بول چال اور سوچنے کا انداز ہوتا ہے جس سے ہم تخلیقی ادب کے ذریعے واقف ہوتے ہیں۔ایسا ترجمہ اسی وجہ سے نرا ترجمہ نہیں ہوتا کیونکہ مترجم کو وہ مطلوبہ لفظوں کی تلاش میں سر پھوڑنا پڑتا ہے جو کسی تہذیب کے اسلوب کو بھی دوسری زبان میں منتقل کرسکیں۔یہ کوشش اکثر بارآور نہیں ہوتی ۔کمزور ترجمہ اسی وجہ سے کمزور ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے ہمارا دوسری تہذیب کے ساتھ زندہ تعلق استوار نہیں ہوپاتا۔اس ناول کے ترجمہ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔مترجم کی زبان دانی میں تو

یقیناً شک کی گنجائش نہیں ہے خود ناول کا رواں متن بھی ترجمے کے عمل میں معاونت کرتا دکھائی دیتا ہے۔مجموعی طور پر یہ ایک قابل ستائش ترجمہ ہے اور اردو زبان وادب کو ایسے ترجموں کی بہت ضرورت ہے جو ادب کے سنجیدہ قارئین کو عالمی ناول کے اور قریب کر سکیں۔

ناول کے آغاز میں ناول کے اختتام سے لیے گئے ایک پر اسرار جملے کا ایک خاص مقصد ہے جس کا تعلق براہ راست ناول نگار کی زندگی سے بھی ہے۔بن اوکری کا بچپن تو نائجیریا ہی میں گزرا لیکن انیس سال کی عمر میں وہ سیکنڈری سکول کی تعلیم کے بعد۱۹۷۸میں وہ یونیورسٹی کی تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان چلا آیا۔اس کے بعد وہ اپنے اجداد کی زمین پر واپس نہیں گیا(۴)۔وہ اجداد جو اس کے بقول صدیوں پہلے مرجانے کے باوجود بھی زندہ تھے۔وہ اتنا عرصہ گوروں کے دیس میں رہنے کے باوجود بھی کالا ہی رہا۔اسے کالا ہونے پر فخر ہے کیونکہ وہ جانتا ہے سیاہ رنگ آفاقی رنگ ہے جس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔''بھوکی سڑک''اس کا بہترین ناول ہے جو۱۹۹۱میں شائع ہوا۔اشاعت کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کا شمار جدید دنیا کے مشہور ناولوں میں ہونے لگا۔یہ طلسمی حقیقت نگاری کی تکنیک پر لکھے گئے ناولوں میں سے ایک ہے۔مختلف تکنیکوں اور ہیئتوں سے واقفیت کے بعد شعوری کوشش سے لکھے گئے ناول بہت دور تک نہیں چلتے۔کہانی مصنف سے بہترین ہیئت کا تقاضا کرتی ہے۔کہانی کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہوتی یہ فارم ہوتی ہے جو اسے لافانی یا کمتر درجے کا بناتی ہے۔موجودہ عہد میں وہی ناول تادیر زندہ رہے گا جو بہترین فارم میں ہوگا ورنہ دلچسپ کہانیوں سے ماہانہ اور سہ ماہی ڈائجسٹ بھرے پڑے ہیں۔طلسماتی حقیقت نگاری کی فارم میں لکھے گئے ناول مابعد نوآبادیاتی صورت حال کی بہترین پیشکش ہیں۔بیشتر ناول نگار وہی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے ان خطوں کے ساتھ ہے جو یا تو سالوں تک نوآبادی رہے ہیں یا اب بھی کسی نہ کسی سطح پر نوآبادیاتی صورت حال سے دوچار ہیں۔یہ وہ علاقے ہیں جہاں ضروریات زندگی کی سبھی جدید اشیا تو ضرور موجود ہیں لیکن کسی نہ کسی سطح پر یہ آج بھی روایتی دانش سے جڑے ہوئے لوگ ہیں۔جدید عہد میں سانس لیتے ہیں لیکن قدیم کی قیمت پر نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کے ناولوں میں وہ میکانکیت نہیں ہے جو مثلا یورپ کے باقی ناولوں کا خاصا ہے۔Brenda Cooper کے خیال میں ایسے ہی خطوں میں طلسماتی حقیقت نگار جنم لے سکتا ہے:

> ''جادوئی حقیقت نگاری عجیب وغریب معاشروں میں پیدا ہوئی۔۔ مابعد نوآبادیاتی، ناہموار طریقے سے ترقی کرتے ہوئے مقامات جہاں دنیا کے بارے میں نئے اور پرانے، جدید وقدیم، سائنسی اور جادوئی افکار بیک وقت رونما ہوتے ہیں۔''(۵)

مارکیز، یوسا، رلفو، فیونتیس، کارپینتیر اور کارتازار کا تعلق بھی انہیں علاقوں سے ہے جہاں آج بھی نانی دادی کہانیوں کا انسائکلو پیڈیا ہے۔ بچے لحافوں میں دبکے جن بھوتوں سے ڈرتے اس لیے کہانیاں سنتے چلے جاتے ہیں کہ بالآخر شہزادے کی فتح ہوگی۔وہ ان سب کو مار بھگائے گا۔خود اوکری کے ناول میں بھی کردار اسی آس پر زندہ

ہیں۔ یہ ناول فنی مرتبے کے لحاظ سے ان طلسمی ناولوں کونہیں پہنچتا جن کا تعلق ساٹھ اور ستر کی دہائی کے لاطینی امریکی بوم (مارکیز، یوسا، رلفو، فیونتیس، کارپنٹیئر اور کارتازار) سے ہے۔ بن اوکری کا شمار ان ناول نگاروں سے ہے جو بوم سے متاثر ہوئے جیسے ازابل الیندے، مورا کامی اور ٹونی موریسن وغیرہ۔ ان ناول نگاروں کے ناولوں کا بیانیہ اتنا پیچیدہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوم کے بعد لکھنے والے بیشتر ناول نگار وہ ہیں جنھوں نے اپنی مٹی سے دور رہ کر ترقی یافتہ ملکوں میں بیٹھ کر لکھا۔ ان ناول نگاروں نے اس صورت حال کا خود سامنا نہیں کیا جس نے ان کے آبائی علاقے کے عام باسیوں کی زندگی کو اجیرن بنایا۔ چاہے اس کا تعلق آمریت سے ہو یا نوآبادیانہ قوتوں کی سازشوں سے ہو۔ بوم والوں نے اس صورت حال کا سامنا خود کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں ان جانا خوف، بے یقینی، لایعنیت وغیرہ ناول کے بیانیے کا جزو لانیفیک ہے۔ ان کے بعد لکھنے والوں کے ہاں کہانی کی ہیت وہی حقیقت پسند ناولوں جیسی ہی ہے ہاں واہمے اور خواب کو ناولوں میں احسن طریقے سے برتا ہے۔ خود بن اوکری کے ہاں واہمہ اور خواب ہی وہ Tools ہیں جن کو بروئے کار لا کر ناول نگار نے ناول کو معنی خیز بنایا ہے۔ یہاں وہ صورت نہیں ہے جو بوم کے ناولوں میں ہے جہاں حقیقت اور طلسم ایک ہو گئے ہیں اور قاری کے لیے یہ تفریق کرنا ممکن نہیں رہتا کہ ان دونوں کی حدیں کہاں ہیں۔ کارپینٹیر کا Kingdom of this World اور حوان رلفو کا Pedro Paramo اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

ناول کی کہانی ایک ایسے بچے کے گرد گھومتی ہے روحیں جس کی پیدائش سے نہ خوش ہیں۔ ناول کا آغاز بیان کنندہ کی پیدائش سے بھی پہلے سے ہوتا ہے۔ اذارو (Azaro) کو اس کی ساتھی روحیں پیدا ہونے سے منع کرتی ہیں، کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ جس دنیا میں وہ جا رہا ہے وہاں اس کے لیے مسائل ہی مسائل ہوں گے۔ یہ دراصل ایک Abiku (۶) بچہ ہے۔ وہ ان کی بات سے اتفاق نہیں کرتا اور یہ کہہ کر پیدا ہونے کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے غریب والدین کی مدد کرے گا۔ وہ اس دنیا میں آ تو جاتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ تمام عمر اسے بھوک پیاس اور تکلیف دہ زندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک طرف تو ان کا مکان کرائے کا ہے اور فاقہ زدگی کا یہ عالم ہے کہ دو وقت کی روٹی پوری نہیں ہوتی۔ مالک مکان کے آئے روز کے تقاضوں نے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ ایک طرف تو یہ معاملات ہیں جن سے روز اس کا سابقہ پڑتا ہے تو دوسری طرف روحیں اس کی جان نہیں چھوڑتیں وہ بار بار آ کر اسے تنگ کرتی ہیں اور اسے اپنے ساتھ واپس لے جانے کے لیے بضد ہیں۔ اول تا آخر اذارو کے ساتھ عجیب وغریب واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

ایک طرف تو اذارو کی زندگی بہت پراسرار ہے دوسری طرف نائجیریا کے تمام باشندوں کے اندر بھی صدیوں پرانا افریقہ پوری شدت سے زندہ ہے۔ یہاں کے جنگلوں میں چھپی قدیم دانش ہر کردار کے اندر موجود ہے۔ مافوق الفطری عناصر پر گفتگو بہت فطری انداز میں ہوتی ہے۔ کوئی کردار حیرت میں مبتلا نہیں ہوتا۔ مصنف کئی سالوں سے انگلستان میں مقیم ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ افریقی دانش کا ادراک اور گہرا ہو رہا ہو۔ جتنا آپ اپنی مٹی سے دور ہوتے ہیں اتنا ہی اس میں زیادہ کشش محسوس کرتے ہیں۔ ناول کے شروع

میں ازارو کے والدین اپنے گھر میں ایک دعوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ غریب لوگ ضرور ہیں لیکن دل کے بہت امیر ہیں۔علاقے کی کئی عورتیں بھی وہاں جمع ہیں جو ازارو کے بارے میں عجیب پیش گویاں کررہی ہیں۔انہیں اس کے مستقبل کی بہت فکر ہے۔ان کی پیش گویوں کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے لیکن بچے کی ظاہری وضع قطع سے انہیں یہ اندازہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آرہی ہے۔یہی وہ وقت ہے جب ازارو اپنے گھر میں منڈلاتی ہوئی روحوں کو دیکھ رہا ہے۔دعوت کے بعداس کی ماقبل پیدائش کی ساتھی روحیں اسے اپنے ساتھ جنگل میں لے جاتی ہیں۔مادام کوٹو (Madame Koto)اسے بمشکل دوبارہ گھر واپس لاتی ہے۔مادام کوٹو ناول کا ایک بہت اہم کردار ہے۔یہ آبادی کے واحد بار کی مالک ہے۔بہت پراسراراور دوراندیش خاتون ہے۔

ازاروکے والدین اسے ایک مقامی سکول میں داخل کراتے ہیں۔دوسری طرف مادام کوٹو ان سے گزارش کرتی ہے کہ سکول سے واپسی پر اسے بار میں بھیج دیا کریں تا کہ وہ کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹا سکے۔بجائے اس کا ہاتھ بٹانے کے الٹا یہ اسے تنگ کرتا ہے۔اس کا چونکہ روحوں سے براہ راست تعلق ہے اس لیے اسے روحیں بار بار دکھائی دیتی ہیں۔شروع میں یہ سب اس اکیلے کے ساتھ پیش آتا ہے اور قاری سمجھتا ہے کہ یہ اس کا واہمہ ہے لیکن بعد میں دوسرے کردار بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔کبھی کوئی کتے کی شکل میں اسے نظر آتی ہے اور وہ اس کا پیچھا کرتا ہوا جنگلوں میں جا پہنچتا ہے جہاں اسے غیر معمولی اونچی عمارتیں نظر آتی ہیں بالکل ویسی ہی صورت حال ہے جیسی موراکامی کے ناول Kafka on the Shore میں کافکا طامورا کی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ کافکا کی طبعیت میں قدرے ٹھہراؤ ہے جبکہ ازاروطبعاً سیمابیت کا شکار ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ازارو ناول کے بیانیے میں اختتام تک بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچتا۔وہ اردگرد کی دنیا کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہے جبکہ کافکا اس کے مقابلے میں ایک بالغ نوجوان ہے۔کردار کی عمر اس کے ماحول کے لحاظ سے ناول کا بیانیہ تشکیل پاتا ہے۔

کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ روحوں کی پیروی کرتا ہے اور کبھی اس کے لیے ان سے جان چھڑانا مشکل ہوجاتا ہے۔کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ بھاگتا ہوا جنگلوں میں چلا جاتا ہے اور مشکلوں سے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔اس کے والدین اس سے اس کی گمشدگی کی وجہ پوچھتے ہیں لیکن وہ انہیں مطمئن نہیں کرپاتا۔یہاں جنگل کا کردار بہت اہم ہے۔بچے سارا دن جنگل میں گم رہتے ہیں والدین جانتے ہیں کہ شام ہوتے ہی وہ آن لوٹیں گے۔ازارو کے بارے میں بھی اس والدین کا یہی گمان ہے۔اس لیے اس طرف تو کسی کا دھیان جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی ان دیکھی مخلوق کے رحم وکرم پر ہے۔روحیں دراصل اس دنیا سے اس کی جان چھڑانا چاہتی ہیں۔اس کی کسمپرسی ان سے دیکھی نہیں جاتی۔دوسری طرف ازارواس دنیا کا باقاعدہ باشندہ ہے اور کمسن بھی ہے لہذا اس کی جذباتی وابستگی اس ماحول سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔روحوں کا فانی انسانوں سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ وہ ان کے احساسات سمجھ سکتی ہیں لہذا انہیں صرف اپنے ساتھی سے غرض ہے۔

مادام کوٹو کی بار سب سے پراسرار جگہ ہے سب سے زیادہ غیر مرئی کردار اسے یہیں نظر آتے ہیں۔مادام کا کاروبار ٹھپ ہے۔گاہک نہ ہونے کے برابر ہیں۔اوپر سے ازارو کا رویہ بھی بقول اس کے غیر سنجیدہ ہے۔ایسی

صورت حال میں جب وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا ہے کہ بار میں گاہک بیٹھے اس کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ اور زیادہ چڑ جاتی ہے۔وہ یہی سمجھتی ہے کہ ازاروا اس کا مذاق اڑاتا ہے۔یہاں بیانیہ بہت طاقتور ہے قاری یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ واقعی وہاں لوگ بیٹھے ہیں یا صرف ازارو کو ہی نظر آرہے ہیں۔یہی وہ بار ہے جہاں گورے پہلے پہل پڑاؤ کرتے ہیں۔ازارو کو بہت پہلے ہی وہ واہمے کی صورت نظر آرہے ہیں۔مادام کوٹو اس کو ڈانتی ضرور ہے لیکن کبھی اس کے والدین سے یہ شکایت نہیں کرتی کہ ان کا بچہ ذہنی مریض ہے۔اسے وہ لوگ نظر آتے ہیں جن کا کہیں وجود نہیں ہے۔اس کی وجہ بقول مصنف یہ ہے کہ ’’روایتی افریقہ‘‘ میں مرنے والے کبھی مرتے نہیں وہ جب جی چاہے زندوں میں آن بیٹھتے ہیں۔اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ کسے دکھائی دیتے ہیں کسے نہیں۔اس ناول میں جہاں وہ ازاور کو دکھائی دیتے ہیں وہیں وہ ازارو کے باپ سے رسم و راہ رکھے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کردار اس حوالے سے خوفزدہ نہیں ہیں۔یہاں وہ صورت حال نہیں ہے جومثلا رلفو کے "Pedro Paramo" یا یوسا کے "Death in the Andes" میں ہے۔یہاں کردار ایک انجانے خوف میں مبتلا ہیں ’’پیڈرو پرامو‘‘ میں مردوں اور زندوں کے درمیان کوئی تفریق باقی نہیں رہی۔ڈیتھ ان دی اینڈیز میں پہاڑوں کی بدروحیں ہیں جو نا صرف کرداروں کو بلکہ قاری کو بھی خوفزدہ رکھتی ہیں۔خاص طور پر یوسا کے ناول میں جہاں پہاڑی بلاؤں کے خوف نے انسانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔خوف کی لہریں نہ صرف کردار بلکہ قاری بھی محسوس کرتا ہے۔ان ناولوں کے مقابلے میں یہاں صورت حال مختلف ہے۔کردار اس ماحول کے عادی ہیں لوک دانش اور کہانی پر جدید صنعتی عہد اتنا اثر انداز نہیں ہوا کہ لوگوں کا مافوق الفطری عناصر سے ایمان اٹھ جائے۔

کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندوں کا سامنا برسوں پہلے مر چکے لوگوں سے بھی ہوجاتا ہے۔ایسی صورتحال میں وہ زیادہ تحیر کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ازارو کا باپ اس سے بھی زیادہ طاقتور اور متاثر کن ہے۔ناول کے شروع سے لے کر آخر تک وہ گرگٹ کی طرح کئی رنگ بدلتا ہے۔غریب ہے لیکن خوددار ہے۔مالک مکان ہمیشہ اس کی غیر موجودگی میں ہی پیسوں کا تقاضا کرنے آتا ہے۔ہر وقت لڑنے بھڑنے کو تیار رہتا ہے۔جب اس کے سر پر ورلڈ چیمپئن باکسر بننے کا جنون سوار ہوجاتا ہے تو بہت دلچسپ صورت حال ہوجاتی ہے۔وہ صبح شام ٹریننگ کرتا رہتا ہے۔مچھروں، کیڑوں مکوڑوں، خیالی دشمنوں، ہوا اور یہاں تک کہ اپنے سائے پر مکے برساتا رہتا ہے۔لوگ راتوں کو جاگ جاگ کر اس کے جنون کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ایک رات جب وہ ایسے ہی ٹریننگ کر رہا ہوتا ہے تو اچانک ایک دیوقامت انسان اس کے سامنے آجاتا ہے اور اسے مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔دونوں کافی دیر لڑتے ہیں اور بالآخر ازارو کا باپ جو کہ کالا چیتا کے نام سے مشہور ہے اسے شکست دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔جب وہ اسے شکست دینے کے بعد ازارو سے پوچھتا ہے کہ اس شخص نے اپنا کیا نام بتایا تھا۔’’زردتیندوا‘‘ یہ سنتے ہی اس کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔اس نے انجانے میں تین سال پہلے مرے ہوئے باکسر کی روح کو شکست دی تھی۔اس کے بعد وہ شدید بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ روح کو شکست دینے کی وجہ سے یا کہ اپنی بے پناہ طاقت کا اندازہ ہونے کی وجہ سے۔کسی روح کو شکست دینے کا مطلب یہی ہے کہ آپ طاقت میں

غیر مرئی قوتوں سے بڑھ گئے ہیں۔سو یہاں زندہ لوگ اپنی صلاحیتوں کے حوالے سے روحوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔اس کی وجہ یہ کہ روحیں ان کے معاملات میں گاہے گاہے دخل اندازی کرتی رہتی ہیں۔

یہ ہے وہ روایتی افریقہ جس کی طرف مصنف نے ہماری توجہ دلائی۔ایسے افریقہ میں جو آئے گا یہیں کا ہو کر رہ جائے گا۔یہ ممکن نہیں کہ افریقی دانش اس پر اثر انداز نہ ہوسکے۔بعض اوقات تو یہ لگتا ہے ناول نگار کی زیادہ توجہ روایتی افریقی دانش کو ناول میں کھپانے پر ہے یہی وجہ ہے کہ ناول میں کئی بار قاری اکتاہٹ کا شکار بھی ہوجاتا ہے۔مصنف کے گمان میں نوآبادکار افریقہ کا رخ اس کی دانش کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔یہاں کی قدیمی ہی وہ خزانہ جو دراصل وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اپنی تہذیبی شناخت پر تفاخر کا یہ کتنا پرفریب مظہر ہے۔ایک محکوم ان خزانوں پر فخر کررہا ہے جو کبھی اس کے تھے۔یہ وہی صورت حال ہے کہ لٹنے والا اس بات پر ماتم کرنے کی بجائے کہ اس کا سب لٹ چکا ہے۔اس بات پر مغرور ہو کہ وہ خزانے کبھی اس کے تھے۔وہ لوٹنے والوں اس بات پر طعنے دے کر مطمئن ہو۔یہاں بن اوکری بھی ہاتھ ملتے ہوئے اپنے ماضی پر فخر کررہا ہے۔

روایتی معاشرے مستقبل سے زیادہ ماضی پر انحصار کرتے ہیں۔حال اور مستقبل سے زیادہ ان کی توجہ ماضی پر رہتی ہے۔قصے کہانیاں سننا سنانا ہی ان کے نزدیک سب سے احسن کام ہے۔سو یہاں اذارو کا باپ بھی اسی افریقی دانش کا نمائندہ ہے۔وہ اسے اپنے بیٹے کو دانش سے لبریز کہانیاں سنا تا رہتا ہے۔ایک رات وہ اپنے بیٹے کو ''سڑکوں کے بادشاہ'' کی کہانی سناتا ہے۔وہ اسے کہتا ہے کہ ایک زمانے میں ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا جس کا نام سڑکوں کا بادشاہ تھا۔وہ اتنا بڑا تھا کہ پوری دنیا پر پھیلا ہوا تھا۔وہ ہردم بھوکا رہتا تھا۔جو اس کے ہتھے چڑھ جاتا اسے وہ ہڑپ کرجاتا۔روڈ نوآبادیاتی عہد کا تحفہ ہے۔نوآبادکار جہاں بھی گئے انہوں نے سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ایک تو اس لیے کہ جہاں وہ گئے ہیں ان کی رسائی ہر علاقے تک ہو اور دوسرا وہ مقامیوں کو یہ باور بھی کراتے ہیں کہ دراصل وہ ان کی زندگی میں آسانیاں لانے کے لیے سڑکوں کا جال بچھا رہے ہیں تاکہ انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں آسانی ہو۔خود ہمارے یہاں بھی جو سڑکوں اور ریل کی پٹڑیوں کا جال بچھایا گیا اس کے مقاصد ایک سطح وہی ہے۔وہ پہلے روڈ بناتے ہیں اور پھر روڈ زندہ نامیہ بن جاتا ہے خود انہیں کے اختیار میں نہیں رہتا ہے۔یہی وہ روڈ ہے جس نے انسانوں کی زندگیوں سے سکون چھین لیا۔ہر وقت، ہر جگہ رسائی کہ وجہ سے ان کی آزادی کو ان سڑکوں نے ہڑپ کرلیا۔اذارو کو جو روحیں بار بار دکھائی دے رہی ہیں وہ بھی اسے مستقبل کی سڑکوں کی سیر کرا رہی ہیں اور ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کرتی چلی جاتی ہیں کہ اس روڈ کی بنی نوح انسان کی زندگی میں کیا اہمیت ہے۔خود مادام کوٹو جب گاڑی پر وہاں اپنے ڈرائیور کے ساتھ سیریں کرتی پھرتی ہے تو چھکڑوں، گھوڑوں، خچروں اور پیدل چلنے والوں کے لیے وہ ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔اسے وہ حسرت سے بھاگتا دیکھتے رہتے ہیں۔مشینوں کے ذریعے ہی نوآبادکار مقامیوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرتے ہیں۔وہ انہیں باور کراتے ہیں کہ دنیا بدل چکی ہے انہیں بھی بدلنا ہوگا۔یہی وہ دلائل ہیں جس سے مقامی خود کو بخوشی کمتر اور انہیں برتر سمجھتے ہیں۔ایسی صورت حال میں پھر ان کے پاس ان دیکھے تابناک ماضی میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔خود ہندوستانی مسلمانوں کو نوآبادیاتی عہد کی تخلیقات اس

بات کی گواہ ہیں۔

اجتماعی سطح پر تو یہ صورت حال ہے لیکن دوسری طرف مرکزی کردار کو روحیں اپنی طرف کھینچ رہی ہیں ۔وہ جانتی ہیں کہ نائجیریا کا مستقبل تاریک ہے۔انسانوں کو انسانوں کی قدر نہیں ہے ۔وہ اس کی حالت دیکھ کر محبت سے اسے سمجھانے کی کوشش کررہی ہیں ۔

> ''انسان پرواہ نہیں کرتے۔وہ نہیں جانتے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔وہ نہیں جانتے محبت کیا ہوتی ہے۔دیکھو ان کو۔تم مر رہے ہو اور وہ کیا کر رہے ہیں؟اپنے بوٹوں پر پالش کررہے ہیں۔کیا وہ تم کو چاہتے ہیں؟۔ہرگز نہیں۔''(۷)

دوسری طرف مقامی سیاسی پارٹیوں نے طوفان بدتمیزی برپا کیا ہوا ہے۔سیاسی لوگوں کا تعلق اسی ماحول سے ہے۔ وہ لوگوں کو اکٹھا کر کے ان سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔جب ایک پارٹی انہیں پینے کے لیے مضرصحت دودھ دے جاتی ہے تو پورا علاقہ بیمار ہوجاتا ہے۔دوسری دفعہ جب وہ آتے ہیں تو لوگ مار مار کر ان کا برا حال کردیتے ہیں ۔یہاں تک کہ جس گاڑی پر وہ آتے ہیں اسے آگ لگا دیتے ہیں اس کے بعد کوئی وہاں آنے کی جرات نہیں کرتا۔مقامی لوگ مقامی پارٹیوں کے ساتھ تو یہی سلوک کرلیتے ہیں کیونکہ وہ انہیں جانتے ہیں اور وہ انہیں کے جیسے ہیں لیکن جب گورے وہاں آنا شروع ہوجاتے ہیں تو ان کے خلاف مزاحمت کرنے کی انہیں سمجھ ہی نہیں آتی۔مقامی لوگ اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں ۔انہیں یہ بھی خبر نہیں ہے کہ کون ان کا حاکم ہے۔ملک میں سیاسی حالات کیسے جارہے ہیں۔ان کے نزدیک سیاستدان ایک ایسا کردار ہے جو دھوکا دینے والا ہے جس کا عوامی مسائل سے کوئی سروکار ہے۔ان سیاستدانوں کے جو کارندے ہیں وہ تمام کے تمام ٹھگ ہیں۔یہ ٹھگ وہاں ہرجگہ جاسوسوں کی طرح موجود رہتے ہیں۔مزے داری کی بات یہ ہے کہ مصنف نے ناول کے بیانیے میں سیاستدانوں کے لیے ٹھگ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔یہ مقامی لوگ ہی ہیں جو انہیں ٹھگوں کے القابات سے نوازتے ہیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ خود ہر بار ان ٹھگوں کے دھوکے میں بھی آجاتے ہیں۔یہ ہر اس شخص پر کڑی نظر رکھتے ہیں جو ان کے نزدیک سیاستدانوں کے خلاف بری رائے رکھتا ہے۔سیاستدانوں اور ان کے کارندوں کو زدوکوب کرنے کے باوجود ان کے ذہنوں میں سیاستدانوں کے خلاف کوئی احتجاجی تحریک چلانے کا پلان نہیں ہے۔پلان بنے بھی کیسے انہیں کچھ سوچنے کی فرصت ہوتو وہ کچھ کریں۔سارا دن جانوروں کی طرح کام کرتے ہیں اور فارغ وقت میں کسی اڈونچر کا انتظار کرتے ہیں ۔ان کے نزدیک سارا کچھ اڈونچر ہی ہے ۔تیسری دنیا کے سارے ہی ممالک کا یہی حال ہے۔ملک کوئی بھی سانحہ ہوجائے یہ اسے جلد ہی بھول بھال جاتے ہیں۔کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو مسائل ہیں ان کا کوئی حل نہیں اور یہ جوں کے توں رہیں گے۔گاؤں کا واحد فوٹوگرافر ان کے عتاب کا نشانہ بنتا ہے کیونکہ اس نے اس وقت کی کچھ تصویریں بنالی تھی جب وہ مضرصحت دودھ تقسیم کررہے تھے اور کچھ اس وقت کی جب دیہاتیوں نے ان کی درگت بنائی ۔وہ عرصے تک ان سے چھپتا پھرتا ہے لیکن ان کے ہتھے نہیں چڑھتا۔وہ منہ

اندھیرے اذارو کے گھر آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ وہ سچ کا چہرہ معاشرے کو دکھانے کی پاداش میں موت ہتھیلی پہ لیے پھرتا ہے لیکن کسی ایک شخص کو بھی خیال نہیں آتا کہ وہ اس کا ساتھ دے۔ لوگ ساتھ دے بھی کیسے سکتے ہیں انہیں تو معاش کے جھمیلے میں ایسا جکڑ دیا گیا ہے کہ انہیں اپنا ہوش نہیں ہے۔ ہاں فراغت کے وقت میں وہ دعوتیں ضرور اڑاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دو وقت ہی روٹی ہی زندگی ہے۔

قصبے کا وقت ٹھہرا ہوا ہے اس بات کا احساس صرف مادام کوٹو کی بار کو دیکھ کر ہوتا ہے جہاں ہر روز نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ ہر کوئی مادام کوٹو کی کی بار میں آنے والی تبدیلیوں سے مرعوب ہے لیکن یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ وہ غیر لوگ جن کا تعلق ان کے قصبے سے نہیں ہے وہ یہاں کیوں آتے ہیں؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ طوائفیں طرح طرح کے مشروب، نت نئے کھانے، بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے مقامی سیاسی ٹھگوں اور غیر ملکیوں کی سیوہ میں مشغول ہیں۔ یہ سب آہستہ آہستہ معاشرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور لوگ بے خبر ہیں۔ ناول کے سارے کردار اس صورت سے بے نیاز جنت نما دنیاؤں کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے خواب اتنے ٹھوس ہیں کہ حقیقی زندگی میں واپس آنے کے باوجود وہ انہیں خوابوں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ ان کے خواب، ان کے وہم ہی ان کا سب کچھ ہیں۔ اس زندگی کو بہتر بنانا ان کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس میں ازارو کو روحیں آ آ کر اپنے ساتھ لے جانے کو کہتی ہیں۔ وہ ازارو کو اس مجہول دنیا میں بھیجنے کو روادار نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے اب جبکہ وہ یہاں کے رشتوں میں پھنس گیا ہے تو جہاں ایک طرف وہ تکلیف میں ہے اس کے ساتھ وہ ارواح بھی عذاب میں مبتلا ہے جن کا وہ ساتھی تھا۔ اس کا باپ جو جسمانی طور پر دیوہیکل ہے ناول کے اختتام پر دم نزع جب اس طرح بات کرتا ہے تو ایک حساس انسان کی روح لرز جاتی ہے۔ جدید انسان آنکھیں تو بند کر سکتا ہے لیکن صورت حال سے نہ تو انکار کر سکتا ہے اور نہ نکل سکتا ہے۔ طاقت والوں نے اسے ایسی ایسی اطراف سے جکڑ رکھا ہے کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جو اس دنیا میں آ گیا اس کے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ پردے کے پیچھے چھپی وہ غیر مرئی طاقتیں جو کہنے کو تو انسان ہیں لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے لحاظ سے فوق البشر ہیں۔ دنیا بھر کی معیشت کی ڈوران کے ہاتھ میں ہے ان کے مفادات کی راہ میں جو آتا ہے منظر عام سے یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے کہ کبھی اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ اذارو کے قصبے میں آنے والے نوآبادکار بھی مقامیوں کے نزدیک وہی غیر مرئی ہستیاں ہیں جن کے قابو میں دنیا کا نظام ہے۔ یہ روپ بدل بدل کر انسانی معاملات چلاتی ہیں۔ ناول کے بیانیے میں یہ دو دنیائیں برابر چلتی ہیں۔ اس دنیا میں رہنے والے عامیوں کا مقدر طاقتوروں کے ہاتھوں میں کھیلنا ہے۔ وہ اپنی اس تقدیر پر قانع ہیں۔ سب کچھ جانتے ہیں لیکن کچھ کر گزرنے سے قاصر ہیں۔ ناول کے اختتام پر اذارو کا باپ اسے آنے والے وقت کی بھیانک تصویر ان لفظوں میں دکھا رہا ہے۔ مضمون کے آغاز میں ہم نے ایک انگریز کا حوالہ دیا تھا جو افریقہ میں آن پھنستا ہے لیکن یہاں یہ صورت ہے کہ ایک Abiku بچے کے لیے بھی یہاں کی بھول بھلیوں سے نکلنا ممکن نہیں رہا۔ تمام عمر اب اذارو کو یہ عذاب برداشت کرنا ہے۔ اب وہ چاہ کر بھی یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے اپنے مرتے ہوئے باپ کی یہ بھیانک پیش گوئی سن رہا ہے۔ یہ وہی پیش گوئی ہے جس کا اظہار اس کی

ساتھی روحیں اسے ساتھ لے جانے کے لیے بار بار کرتی ہیں۔

''مصیبت آنے والی ہے۔جنگیں ہوں گی۔قحط پڑے گا۔ہول ناک باتیں ہوں گی۔۔۔نئی نئی بیماریاں،بھوک۔امیر زمین کو کھا جائیں گے۔آسمان اور پانی کو انسان زہریلا کردیں گے۔لوگ اپنی گزری ہوئی تاریخ کا نام لے کر پاگل ہوجائیں گے۔بادل آگ اگلیں گے۔چیزوں کی روح خشک ہوجائے گی۔ہنسی عجیب بات بن جائے گی۔''(۸)

حوالہ جات:

(۱) بین اوکری، بھوکی سڑک، مترجم: سید راشد اشرف، لاہور: ادارہ تالیف وترجمہ جامعہ پنجاب، ۲۰۱۵ء، ص:۴۸۰

(۲) ایضاً، ص:۴۸۱

(3) "A world where the dead are not really dead, the ancesters are still part of the living community and there are innumberable gradations of reality." Jesus Benito,Uncertain Mirrors:Magical Realism in US Ethnic Literature, New York, Rodopi, 2009, p.112

(4) Brenda Cooper, Magical Realism in West African Fiction, London, Routledge,1998,p.67

(5) "Magical realism arises out of particular societies ..postcolonial, unevenly developed places where old and new, modern and ancient, the scientific and the magical views of the world co..exist" Christopher Warnes,Magical Realism and The Postcolonical Novel, New York USA, Palgrave Macmillan, 2009, p.145

(6) According to Brenda Cooper:" Abiku babies torment their mothers by being spirits in the guise of babies, spirits who repeatedly are born, only to die and return to the spirit world.

(یعنی یہ وہ بچے ہیں جن کا پیدائش کے بعد بھی سابقہ روحانی دنیا سے رابطہ رہتا ہے۔اذارو بھی ایک ایسا ہی بچہ ہے۔یہ بچے اپنی کو تکلیف دینے کے لیے جلد ہی مر جاتے ہیں لیکن اذارو اس اصول کو توڑ دیتا ہے۔وہ اسی دُنیا میں رہنے کا فیصلہ کرتا ہے جو اسے بہرحال مہنگا پڑتا ہے۔)

(۷) بھوکی سڑک، ص:۳۲۴

(۸) ایضا، ص:۴۷۴